تحقیق وتنقید

امام غزالی کا تصوّف
ناقدین کی نظر میں

ڈاکٹر غلام قادر لون

ابو حامد محمد بن محمد بن احمد الطوسی المعروف بہ غزّالی ۴۵۰ھ میں طوس (خراسان) کے شہر طابران میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد صوف بُنتے تھے اور اسے طوس میں اپنی دوکان پر بیچتے تھے۔ اس وجہ سے ان کا خاندان غزّالی کہلاتا تھا۔ خود زیر بحث شخصیت بھی ادبِ اسلامیہ میں "امام غزّالی" ہی کے نام سے مشہور و معروف ہے امام غزّالی کے والد پڑھے لکھے نہ تھے۔ انتقال کے وقت اپنے ایک دوست کو وصیت کی کہ خود تو تعلیم سے محروم رہا لیکن ان دو بچوں (امام غزّالی اور ان کے بھائی احمد غزالی) کو آپ کے سپرد کرتا ہوں آپ ان کی تعلیم کا بندوبست کریں۔ انتقال کے بعد دوست نے امام غزالی اور ان کے بھائی کی تعلیم کا انتظام کیا لیکن جب ان کے باپ کا متروکہ سرمایہ ختم ہوا تو انھوں نے دونوں بچوں کو کسی مدرسہ میں داخل ہونے کا مشورہ دیا تاکہ علم بھی حاصل ہو اور قوتِ لایموت سے بھی فراغت مل جائے۔

امام غزالی نے شروع میں فقیہہ شہر احمد بن محمد الرازکانی سے کچھ فقہ پڑھی۔ اس کے بعد جرجان کا سفر کیا اور امام ابونصر اسماعیلی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ کچھ مدت بعد امام ابونصر کی مجلس درس میں تیار کی ہوئی تعلیقات لے کر طوس واپس آئے۔ اثنائے راہ میں ڈاکوؤں نے ان کا سارا سامان لوٹ لیا اس میں تعلیقات کا مجموعہ بھی شامل تھا۔ امام کو ان تعلیقات کے لٹنے کا سخت صدمہ تھا چنانچہ ڈاکوؤں کے سردار کے پاس جا کر کہا میں اپنے سامان میں سے صرف اس مجموعہ کو مانگتا ہوں کیوں کہ میں نے صرف انھیں کے سننے اور یاد کرنے کے لیے یہ سفر کیا تھا۔ سردار نے یہ کہہ کر مجموعہ تعلیقات واپس کیا "تم کس طرح حصولِ علم کا دعویٰ کرتے ہو ہم نے تم سے یہ کاغذ چھین لئے اور تم بالکل کورے رہ گئے" طوس واپس آئے تو تین سال

تک صرف یہی تعلیقات حفظ کیں تاکہ پھر کہیں سارا علم ڈاکوؤں کے ہاتھ نہ لگ جائے۔ اس کے بعد نیشاپور چلے گئے اور امام الحرمین سے تحصیل علم میں لگ گئے۔ یہاں انھوں نے فلسفہ، منطق، حکمت، مناظرہ وجدل جیسے علوم پڑھے۔ امام الحرمین کی وفات کے بعد امام غزالی، نظام الملک طوسی کے دربار میں گئے اور اپنی تقریروں سے تمام درباری علماء پر چھا گئے۔ شہرت ملی تو ۴۸۴ھ میں بغداد کے مدرسہ نظامیہ کے صدر مدرس بن گئے لیکن چند برسوں کے بعد دنیا سے دل اچاٹ ہوگیا۔ اپنے بھائی کو مدرسہ میں اپنا نائب بنا کر ذی قعدہ ۴۸۸ھ میں حج کے ارادہ سے نکلے ۴۸۹ھ میں دمشق میں داخل ہوئے۔ دو برس قیام کے بعد بیت المقدس کا رخ کیا اور ایک مدت تک وہاں مجاور بنے رہے پھر واپس آکر دمشق کی جامع مسجد کے مغربی منارہ میں معتکف ہو گئے۔ دمشق میں قیام کے دوران انھوں نے احیاء العلوم لکھی۔ اس کے بعد دمشق سے اسکندریہ چلے گئے۔ کہتے ہیں کہ انھوں نے اسپین کے بادشاہ یوسف بن تاشقین کی نیکنامی سن کر ان سے ملنے کا عزم کیا۔ لیکن جب ان کی وفات کی اطلاع ملی تو قاہرہ سے لوٹ آئے۔ ان دس برسوں کے دوران وہ قبرستان، مسجدوں اور مشہدوں میں گھوم کر ریاضت و مجاہدہ کے مرحلے طے کر رہے تھے۔ بغداد لوٹے تو اہل حقیقت کا طرز کلام اپنایا۔ احیاء العلوم کی وجہ سے بعض حلقوں میں کھلبلی مچ گئی تھی۔ امام غزالی نے ۴۹۹ھ میں مقام خلیل پر پہنچ کر عہد کیا تھا کہ کسی بادشاہ کے دربار میں نہیں جاؤں گا کسی بادشاہ سے عطیہ قبول نہیں کروں گا اور مناظرہ و مباحثہ نہیں کروں گا۔ لیکن مخالفین کی شورش نے سلطان سنجر کے دربار میں پہنچا دیا جہاں انھیں مخالفین کے لگائے گئے الزامات کا جواب دینا پڑا۔ صوفی احباب اور ارباب اقتدار کے زور دینے پر ۴۹۹ھ میں چند دنوں کے لیے مدرسہ نظامیہ نیشاپور کو زینت بخشی لیکن جلد ہی اس سے کنارہ کشی اختیار کی اور طوس میں اپنے گھر کے سامنے ہی ایک مدرسہ اور خانقاہ کی بنیاد ڈالی اور تادم وفات یہاں سے نہیں ہٹے۔ ۵۰۰ھ میں ان کو بغداد کے مدرسہ نظامیہ کی صدر مدرسی کے عہدہ کی پیش کش کی گئی لیکن انھوں نے اسے ٹھکرا کر بالآخر طابران میں پیر کے روز ۱۴ جمادی الاول ۵۰۵ھ صبح کے وقت بستر خواب سے اٹھے وضو کر کے نماز پڑھی پھر کفن منگوایا اور آنکھوں سے لگا کر کہا "آقا کا حکم سر آنکھوں پر" یہ کہہ کر پاؤں پھیلا دئیے لوگوں نے دیکھا تو دم نہ تھا"[1] اس طرح

---

[1] امام غزالی کی سوانح کے لیے دیکھیے (۱) شبلی نعمانی، الغزالی: اصح المطابع آسی پریس لکھنؤ ص ۵ – ۳۸ (ب) مرتضیٰ زبیدی اتحاف السادۃ المتقین مطبوعہ مصر ج ۱ ص ۱ – ۳۰ (ج) زکی مبارک، الاخلاق عند الغزالی، مطابع دار الکتاب العربیہ بمصر ص ۴۱ – ۵۰

۵۵ سال پہلے یہ آفتاب علم و عرفان جہاں سے طلوع ہوا تھا وہیں جاکر ڈوب گیا۔

امام غزالی نے اپنے پیشرو حکماء سے کافی استفادہ کیا۔ مسلمان حکماء میں فارابی (م ۳۳۹ھ) بوعلی سینا (م ۴۲۸ھ) اور ابن مسکویہ (م ۴۲۱ھ) کی تصنیفات سے انھوں نے بہت کچھ اخذ کیا ہے لیکن ان میں اول الذکر دو مفکروں کے ساتھ امام موصوف نے جو سلوک کیا اسے سخت قابل اعتراض گردانا گیا ہے۔ فارابی کو انھوں نے کافر قرار دیا[1] اور ڈاکٹر زکی مبارک کے بقول ابن سینا کے ساتھ سنمار[2] کا سا سلوک کیا اور عوام کی رضامندی کے پیش نظر اور اپنی قلبی تسکین کے لیے ان کو کافر و بے دین کا لقب عطا فرمایا۔[3] ابن مسکویہ کے ساتھ صرف اتنا کیا کہ ان کی بیشتر عبارتیں اپنی کتاب میں نقل کیں لیکن حوالہ کہیں کا نہیں دیا۔[4] امام غزالی کہتے ہیں کہ فلسفہ میں ان کا کوئی استاد نہیں ہے انھوں نے صرف دو سال کے اندر فلسفہ کی کتابوں کا مطالعہ کر کے اس سے واقفیت حاصل کر لی[5] لیکن اس چیز نے امام موصوف کو بجائے فائدہ کے نقصان پہنچایا یہاں تک کہ ان کے ناقدین نے کہا کہ "انھیں شفا (ابن سینا کی کتاب) نے بیمار کر دیا اور یہ کہ وہ فلسفیوں کے شکم میں داخل ہو گئے بعد میں نکلنا چاہا لیکن نکل نہ سکے"[6] ابن رشد نے بھی ان پر سخت تنقید کی[7] ابن ولید طرطوشی، ابن قیم نے ان کے افکار و خیالات کو کم مایہ اور سطحی بتایا۔

امام غزالی کی اخلاقیات ایک زمانہ تک ناقدین کی نگاہوں سے محفوظ رہی۔ ابن جوزی اور ابن تیمیہ جیسے ائمہ وقت نے انھیں قدر اور تحسین کی نگاہوں سے دیکھا ہے۔ عصر حاضر میں مصر کے

---

[1] (ابوحامد) الغزالی، المنقذ من الضلال علی ہامش الانسان الکامل للجیلی مطبعۃ الازہریۃ المصریۃ الطبعۃ الاولی ۱۳۱۶ھ ج ۲ ص ۳

[2] ایک مشہور معمار جس نے عرب بادشاہ نعمان کے لیے ایک حسین محل تعمیر کیا تھا۔ بعد میں بادشاہ نے اس حسد سے کہ کہیں کسی دوسرے کے لیے ایسا ہی محل نہ بنائے اس کو چھت پر سے گرا کر ہلاک کر دیا۔

[3] الاخلاق عند الغزالی ص ۵۸ [4] الاخلاق عند الغزالی ص ۵۸-۶۰

[5] المنقذ من الضلال علی ہامش الانسان الکامل ج ۲ ص ۱۱

[6] ابن تیمیہ، مجموعہ فتاوی، جمع و ترتیب عبدالرحمن محمد بن قاسم العاصمی النجدی الحنبلی، ریاض / رباط ج ۱۲ ص ۳۳۹

[7] ابن رشد: الکشف عن مناہج الادلہ مطبوعہ مصر ۔ ۱۳۱۹ھ ص ۵۷

مشہور اہلِ قلم محمد عبدہ نے بھی اس کو سراہا ہے لیکن سرزمین مصر ہی کے ایک اور اہل قلم ڈاکٹر زکی مبارک نے اس طلسم کو توڑ دیا اور ان کے نظریۂ اخلاق کی دھجیاں اڑا دیں تاہم روایتی علما پر امام غزالی کی گرفت اتنی مضبوط ہے کہ انھوں نے ڈاکٹر موصوف کو تلخ تنقید وں کا نشانہ بنایا۔

امام غزالی نے سب سے آخر میں تصوف کی طرف توجہ کی۔ حقیقت کی تلاش میں ذہنی سفر کرتے ہوئے وہ جس میدان میں خیمہ زن ہوئے وہاں تصوف کا علم نصب تھا۔ امام غزالی نے بھی اس کو اپنے فکر وعمل کی جولان گاہ بنایا۔ اس میدان کے پرے انھیں تمام زمین آگ کے شعلوں میں جلتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ اپنے اس روحانی سفر کی روداد انھوں نے " المنقذ من الضلال " خود تحریر کی ہے[۱]۔ انھوں نے صوفیہ کی کتابوں اور ان کے اقوال کا مطالعہ کیا۔ ابوطالب مکی، جنید بغدادی، حارث محاسبی، شبلی اور بایزید بسطامی کی تحریروں یا اقوال سے واقفیت حاصل کرلی[۲] اور انھیں کے طریقۂ زندگی یعنی تصوف کو اپنا مسلک بنایا۔ امام موصوف کی کتابوں بالخصوص احیاء العلوم پر ابوطالب مکی کی قوت القلوب اور قشیری کے الرسالہ کے اثرات بہت نمایاں ہیں۔ علامہ مرتضیٰ زبیدی نے تصریح کی ہے کہ قوت القلوب اور الرسالۃ القشیریہ دونوں غزالی کے پیش نظر رہا کرتی تھیں۔ قوت القلوب اور احیاء العلوم کا اگر تقابلی مطالعہ کیا جائے تو احیاء کا ایک بڑا حصہ قوت القلوب سے ماخوذ نظر آئے گا۔ قرآنی آیات اور احادیث وقصص دونوں میں یکساں ہیں اور بعض موقعوں پر تو دونوں کی عبارتیں بھی ایک دوسرے سے ملتی ہیں۔ صوفیہ نے دونوں کتابوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ قوت القلوب اور احیاء العلوم میں جو فرق ہے وہ ابوالحسن شاذلی کے اس قول سے ظاہر ہوتا ہے۔ "کتاب الاحیاء یورثك العلم وکتاب القوت یورثك النور[۳] (کتاب احیاء تمہیں علم کا وارث بناتی ہے اور قوت القلوب نور کا) ڈاکٹر زکی مبارک اس قول کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ایک لحاظ سے یہ درست ہے بھی کیوں کہ احیاء میں اسہاب اور تفصیل ہے اور قوت القلوب میں دقت نگاہ اور خلوص، قوت القلوب میں اس کے مؤلف نے صوفیہ کے مذاہب کے بیان میں جو احتیاط برتی ہے نیز جو خوبصورت اسلوب بیان اختیار کیا ہے اس کی وجہ سے احیاء العلوم پر

۱۔ المنقذ من الضلال علی ہامش الانسان الکامل ج ۲ ص ۲ ومابعد

۲۔ اتحاف السادۃ المتقین ج ۱ ص ۲۷، الاخلاق عند الغزالی ص ۶۳

۳۔ اتحاف السادۃ المتقین ج ۱ ص ۲۷، الاخلاق عند الغزالی ص ۶۳

اسے امتیاز حاصل ہے بخلاف اس کے احیاء میں تصوف کے متعلق مبالغہ آرائی ہے اور اسلوب کی خوبی میں تو وہ بہت پیچھے ہے ہی[1] الرسالۃ القشیریہ سے بھی امام غزالی نے کافی مواد لیا ہے بالخصوص احیاء میں جو اقوال نظر آتے ہیں وہ رسالہ مذکورہ ہی سے ماخوذ ہیں۔ امام غزالی نے یوں تو فلسفہ منطق، فقہ اور اخلاق و تصوف جیسے متنوع موضوعات پر قلم اٹھایا ہے لیکن جس علم کو انھوں نے اپنا حاصل زندگی سمجھا وہ تصوف ہے۔ تصوف کی ترویج و اشاعت سے ان کو خاص دلچسپی تھی اس سے قبل تصوف میں کئی ایک کتابیں لکھی جا چکی تھیں مثلاً قوت القلوب، التعرف لمذہب اہل التصوف، الرسالۃ القشیریہ، طبقات الصوفیہ، سنن الصوفیہ، کتاب اللمع، حلیۃ الاولیاء، وغیرہ، لیکن عوام تو کیا خواص بھی ابھی تک اس علم کو محتاط نگاہوں سے دیکھتے تھے، علماء شریعت نے تصوف کو دل سے قبول نہیں کیا تھا۔ امام موصوف کا سب سے بڑا کارنامہ یہی ہے کہ انھوں نے علماء شریعت اور اہل باطن کے درمیان وسیع خلیج کو پاٹنے کی کوشش کی اور اس میں کسی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔

امام موصوف نے تصوف کے احوال و مقامات کی تشریح ہی پر اکتفا نہیں کی بلکہ خود بھی سراپا حال بن گئے۔ ان کا کہنا ہے کہ حقیقت کی تلاش میں جب میں خلوت گزیں ہوا تو بے شمار امور سے واقفیت حاصل ہوئی مجھے یقین کامل ہوا کہ صوفیہ خدا کے راستہ پر چلنے والے سالک ہیں ان کا طریقہ سب سے صحیح طریقہ، ان کی سیرت بہترین سیرت اور ان کا اخلاق پاکیزہ ترین اخلاق ہے[2]۔ نیز ان کی تمام حرکات و سکنات، مشکوٰۃ النبوۃ کے نور سے مقتبس ہیں جس سے زیادہ روشن نور روئے زمین پر موجود نہیں ہے اس نور سے روشنی حاصل کرنے کی اولین شرط تطہیر قلب ہے[3]۔ اس کے بعد امام غزالی نماز، ذکر اللہ میں استغراق اور فنا فی اللہ کے تین مرحلوں کا ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ اس راہ کے سالک کو مشاہدات و مکاشفات حاصل ہوتے ہیں یہاں تک کہ انھیں بیداری کی حالت میں ملائکہ اور انبیاء کی ارواح کا مشاہدہ ہوتا ہے ان سے آوازیں سنتے ہیں اور فائدے حاصل کرتے ہیں اس کے بعد صورتوں اور مثالوں کے مشاہدہ سے ترقی کر کے اس مقام تک پہنچ جاتے ہیں جس کے بیان سے زبان قاصر ہے اور اس کی تعبیر کرنے والے ان الفاظ میں اس کی تشریح کرتے ہیں جن میں غلطی سے احتراز ناممکن ہے

---

[1] الاخلاق عند الغزالی ص ۶۳

[2] المنقذ من الضلال علی ہامش الانسان الکامل ج ۲ ص ۳۵

[3] المنقذ من الضلال علی ہامش الانسان الکامل ج ۲ ص ۳۵

بعض لوگ اسے حلول سے، بعض اتحاد سے اور بعض وصول سے تعبیر کرتے ہیں یہ سب غلط ہے[1]۔ امام موصوف کے بقول اس حالت کے متعلق اس شعر کے علاوہ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

وکان ماکان مما لست اذکرہ فظن خیرا ولا تسأل عن الخبر[2]

(جو پیش آنا تھا وہ پیش آیا اسے میں بیان نہیں کروں گا پس تم حسن ظن رکھو اور جو کچھ پیش آیا اسے مت پوچھو)

امام غزالی نے تصوف کو "علم مکاشفہ" سے تعبیر کیا ہے ان کے بیان کے مطابق علم باطن یا علم مکاشفہ تمام علوم کی غایت ہے جیسا کہ ایک عارف نے کہا ہے کہ جس انسان کو اس علم میں کوئی حصہ نہ ملا اس کے بُرے انجام کا ڈر ہے اور اس کا کمترین حصہ یہ ہے کہ آدمی اس کی تصدیق کرے اور اس کے حاملین کو تسلیم کرے[3]۔ ادب تصوف میں یہ بات بار بار دہرائی گئی ہے کہ تصوف ایک ذوقی چیز ہے اسے زیر تحریر لانا ناممکن ہے امام غزالی نے بھی اپنے خاص انداز میں علم باطن کی یہی تصریح کی ہے کہ اسے قلم بند نہیں کیا جا سکتا اور یہ کہ یہی وہ مخفی علم ہے جس کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں اشارہ کیا گیا ہے: "ان من العلم کھیئۃ المکنون لا یعلمہ الا اھل المعرفۃ باللہ تعالیٰ فاذا انطقوا بہ لم یجھلہ الا اھل الاغترار باللہ تعالیٰ فلا تحقروا عالما آتاہ اللہ تعالیٰ علما منہ فان اللہ عزوجل لم یحقرہ اذ آتاہ ایاہ"[4] (بہت سے علوم پوشیدہ خزانوں کی مانند ہوتے ہیں جن کو صرف اہل علم جانتے ہیں اور جب وہ اس پر گفتگو کرتے ہیں تو صرف وہ لوگ اس کا انکار کرتے ہیں جو دھوکہ میں ہیں۔ لہٰذا اس علم کے حامل کی تحقیر نہ کرو کیوں کہ اللہ نے اسے یہ علم دیکر تحقیر نہیں کی ہے) یہ بات حیرت انگیز ہے کہ امام غزالی نے علم باطن کو علم ظاہر پر اولیت دی ہے اور اس کے حصول کو فرض عین قرار دیا[5] ترک دنیا، زہد و ورع صبر و رضا اور فقر و توکل کے متعلق امام غزالی کی آراء اپنے پیشرو صوفیہ سے مختلف نہیں ہیں۔ ترک دنیا

---

[1] المنقذ من الضلال علی ہامش الانسان الکامل ج ۲ ص ۳۵ - ۳۶

[2] المنقذ من الضلال علی ہامش الانسان الکامل ج ۲ ص ۳۶

[3] الغزالی، احیاء العلوم الدین، دار الکتب العربیۃ الکبریٰ (مصر) ۱۳۳۴ھ ج ۱ ص ۱۸

[4] احیاء علوم الدین ج ۱ ص ۱۹ ۔ حدیث مذکور ضعیف الاسناد ہے دیکھئے زین الدین ابوالفضل عبدالرحیم بن حسین عراقی۔ المغنی عن حمل الاسفار فی الاسفار فی تخریج ما فی الاحیاء من الاخبار علی ہامش احیاء، محولہ بالا ج ۱ ص ۱۹

[5] احیاء علوم الدین ج ۱ ص ۱۸ – ۱۹

کے متعلق وہ مختلف احادیث واقوال کونقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت یوسف بن اسباط نے فرمایا کہ حضرت سفیان ثوری قسم کھا کر کہتے تھے کہ ہمارے زمانہ میں گوشہ نشینی جائز ہوگئی ہے اور میں کہتا ہوں کہ اگر ان کے زمانہ میں جائز تھی تو ہمارے زمانہ میں واجب اور فرض ہوگئی ہے[1] امام موصوف اپنے زمانہ کی شکایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں عزلت نشینی کے علاوہ کوئی چارہ ہی نہیں رہا ہے[2] لیکن عزلت نشینی کے سلسلے میں وہ لوگوں کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ایک وہ طبقہ ہے جو نہ عالم ہے نہ حاکم اس طبقہ سے تعلق رکھنے والے افراد کو چاہیئے کہ مخلوق سے الگ رہیں کسی سے تعارف اور واقفیت پیدا نہ کریں اگر کوئی ایسا آدمی کسی مصلحت کے پیش نظر لوگوں سے علیحدہ رہنا چاہے اور کسی دینوی ودنیاوی کام میں شریک نہ ہونا چاہے تو اس کے گوشہ نشین ہونے کے لیے ضروری ہے کہ آبادی سے اتنا دور چلا جائے کہ جمعہ، جماعت وغیرہ احکام اس پر لازم نہ رہیں جیسے پہاڑوں کی چوٹیاں یا دور دراز وادیاں (ان کے مسکن ہوں) بعض بزرگ جو عبادت کے لیے دور دراز مقامات پر چلے گئے اس کی ایک وجہ شاید یہ بھی تھی نیز اس شخص کو یقین ہونا چاہیے کہ لوگوں سے معمولی اختلاط سے بھی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے اس لیے اگر وہ جمعہ یا جماعت میں شریک نہ ہو تو معذور ہے[3] امام غزالی کہتے ہیں کہ میں نے مکہ معظمہ میں بعض ایسے مشائخ کو دیکھا ہے جو بیت اللہ کے قریب تھے اور تندرست ہونے کے باوجود نماز میں شریک نہیں ہوتے تھے اس کی وجہ ہم نے پوچھی تو انھوں نے یہی کہا کہ اختلاط سے نقصان پہنچتا ہے[4] البتہ ان کے نزدیک طبقۂ علماء کے لیے گوشہ نشینی جائز نہیں ہے[5] اسی سے متعلق ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ابو اسحاق اسفرائنی نے کوہ لبنان کے گوشہ نشینوں سے کہا "اے گھاس کھانے والو! تم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو گمراہوں کے جنگل میں چھوڑ کر یہاں آگئے ہو؟" انھوں نے جواب دیا "ہمیں لوگوں میں رہنے کی طاقت نہیں ہے اور خدا نے آپ کو طاقت دی ہے آپ رہ سکتے ہیں"[6] طبقۂ جہلا میں گھرے ہوئے مرید کے لیے امام صاحب کہتے ہیں کہ اسے چاہیئے کہ اپنے گھر کے کسی گوشہ کو اختیار کرے، اپنی زبان کو برائی سے روکے رکھے صرف نیک کاموں

---

[1] (ابو حامد) الغزالی، منہاج العابدین۔ دار احیاء الکتب العربیۃ مصر ص ۱۷

[2] منہاج العابدین ص ۱۸ [3] منہاج العابدین ص ۱۸ [4] منہاج العابدین ص ۱۸-۱۹

[5] منہاج العابدین ص ۱۹ [6] منہاج العابدین ص ۱۹

میں لوگوں کے ساتھ تعاون کرے اور ان کے آفات سے اپنے آپ کو بچائے رکھے[1]۔

ریاضت کے متعلق امام غزالی کا کہنا ہے کہ اس سے مراد فراغتِ قلب ہے اور یہ صرف خلوت اور تاریک مکان میں ممکن ہے اگر تاریک مکان میسر نہ ہو تو آدمی اپنے گریبان میں منہ ڈالے یا چادر میں اپنا سر لپیٹے کیوں کہ اس حالت میں وہ حق تعالیٰ کی آواز سنے گا اور جلال ربوبیت کا مشاہدہ کرے گا[2]۔

فقر کے بارے میں امام غزالی کا کہنا ہے کہ مال کا نہ ہونا مال کا جمع ہونے سے بہتر ہے کیوں کہ اس کے تقسیم کی فکر کرنا بھی ذکر اللہ میں حائل ہوتا ہے[2]۔ وہ فقر کو غنا پر فوقیت دیتے ہیں کہ جس نے فقر پر غنا کو فوقیت دی اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمیت تمام انبیاء اور سلف صالحین کی تحقیر کی۔ فقیر کے آداب کے سلسلہ میں ادخار (ذخیرہ اندوزی یا اشیاء ضروریہ کی موجودگی) کے متعلق امام غزالی کی رائے ہے کہ اس باب میں فقراء کے تین درجے ہیں پہلا درجہ یہ ہے کہ فقیر اپنے پاس اتنا روزینہ موجود رکھے جو صرف ایک دن رات کے لیے کافی ہو۔ یہ صدیقوں کا مقام ہے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ وہ اپنے پاس صرف اتنا خرچہ موجود رکھے جس پر چالیس دن تک گزر اوقات کی جا سکے یہ متقیوں کا مقام ہے۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ وہ اپنے پاس ایک سال تک چلنے والا روزینہ ذخیرہ جمع کرے اور یہ صالحوں کا مرتبہ ہے[3]۔ امام غزالی کا کہنا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں تین درجوں کے مطابق ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو خرچ دیتے تھے بعض کو ایک سال اور بعض کو چالیس دن کا نفقہ دیتے تھے اور بعض کو جن میں حضرت عائشہ رض اور حضرت حفصہ رض شامل تھیں صرف ایک دن رات کا خرچہ دیتے تھے[4]۔

زہد کے متعلق بھی امام موصوف نے تقریباً یہی انداز اختیار کیا ہے اس سلسلے میں انھوں نے ضروریاتِ زندگی کے ضمن میں غذا، لباس، مکان، اثاثِ بیت نکاح اور اقسام معیشت میں زہد کی تفصیلات سے بحث کی ہے اور چھٹے درجہ میں مال اور جاہ جو مذکورہ چیزوں کے لیے

---

[1] منہاج العابدین ص ۲۱۔

[2] احیاء علوم الدین ج ۳ ص ۶۶، اتحاف السادۃ المتقین ج ۱ ص ۳۴، اخلاق عند الغزالی ص ۷۹-۸۰

[3] تلبیس ابلیس ص ۱۷۸ (دیکھئے حوالہ نمبر ۲۷)

[4] احیاء علوم الدین ج ۴ ص ۱۷۸ [5] احیاء علوم الدین ج ۴ ص ۱۷۸

وسیلہ ہیں کی حیثیت بیان کی ہے۔ اسی عنوان کے ذیل میں غذا سے بحث کے دوران زاہد صادق کی تعریف میں یحییٰ بن معاذ رازی کا یہ بیان نقل کیا ہے۔

الزاهد الصادق قوته ما وجد، ولباسه ما ستر، ومسكنه حيث ادرك الدنيا سجنه، والقبر مضجعه، والخلوة مجلسه، والاعتبار فكرته، والقرآن حديثه، والرب انيسه، والذكر رفيقه، والزهد قرينه، والحزن شانه، والحياة شعاره، والجوع ادامه و الحكمة كلامه والتراب فراشه، والتقوى زاده، و الصمت غنيمته، والصبر معتمده والتوكل حسبه، والعقل دليله، والعبادة حرفته والجنة مبلغه ان شاء الله تعالى [۱]	زاہد صادق جو پا جائے وہی اس کی روزی ہے، جس سے ستر پوشی ہو وہی اس کا لباس ہوتا ہے، جہاں ٹھکانا مل جائے وہی اس کا مسکن ہے، دنیا اس کے لیے قید خانہ ہے، قبر اس کی آرام گاہ ہے۔ خلوت ہی اس کی جلوت ہوتی ہے۔ اس کی سوچ عبرت کے لیے ہوتی ہے۔ قرآن اس کا کلام ہے۔ خدا اس کا ہمدم و مونس ہوتا ہے ذکر اس کا دوست ہے دنیا سے بے رغبتی اس کی ساتھی ہے حزن و غم اس کی کیفیت ہوتی ہے حیا اس کا شعار ہے بھوک اس کی غذا ہے اس کی ہر بات حکیمانہ ہوتی ہے مٹی اس کا بچھونا اور تقویٰ اس کا زادِ راہ ہوتا ہے خاموشی اس کا قیمتی سرمایہ ہے صبر اس کا سب سے بڑا سہارا اور توکل اس کے لیے ہر چیز سے کفایت کرتا ہے عقل اس کی رہبر ہے، عبادت اس کا شب و روز کا مشغلہ ہوتی ہے اور جنت اس کی آخری منزل ہے ان شاء اللہ تعالیٰ

اور آخر میں علامات زہد کے باب میں کہا ہے کہ زہد یہ ہے کہ دنیا کو ترک کیا جائے اور یہ خیال نہ کیا جائے کہ کون اس کو حاصل کر رہا ہے چنانچہ کہا گیا ہے کہ زہد کی علامت یہ ہے کہ دنیا کو ترک

---

[۱] احیاء علوم الدین ج ۴ ص ۱۹۹ — ۲۰۰

کیا جائے اور یہ خیال نہ کیا جائے کہ کون اس کو حاصل کر رہا ہے چنانچہ کہا گیا ہے کہ زہد کی علامت یہ ہے کہ دنیا کو اسی حال میں چھوڑ دیا جائے جس حال میں وہ ہے یہ نہ کہا جائے کہ میں اس میں رباط بناؤں گا یا کوئی مسجد تعمیر کروں گا[1]

احوال ومقامات میں امام غزالی نے توکل پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ ان کے نزدیک توکل کی کیا اہمیت ہے اس کا اندازہ کرنے کے لیے احیاء العلوم، منہاج العابدین اور اربعین کا مطالعہ ضروری ہے۔ ان تینوں کتابوں کے اندر امام موصوف نے اس موضوع پر مجموعی طور کم وبیش اسی صفحات صرف کیے ہیں۔ احیاء العلوم میں توکل کے ساتھ ساتھ توحید کا ذکر بھی کر دیا ہے کیونکہ ان دونوں میں چولی دامن کا ساتھ ہے، امام غزالی کہتے ہیں کہ توکل اس طرح پیدا ہوتا ہے کہ بندہ رزق اور دیگر ضروریات کے متعلق خدا کے ضامن اور کفیل ہونے کا خیال رکھے[2] یہاں تک تو بات صحیح ہے لیکن کیا بندے پر تلاشِ رزق لازم ہے یا نہیں؟ اس سوال کے جواب میں امام غزالی کہتے ہیں کہ رزق کی دو قسمیں ہیں۔ ایک رزق مضمون (جس کی ضمانت اللہ نے لے رکھی ہے) اس کی تلاش بندہ نہیں کر سکتا کیوں کہ اس سے مراد ہے جسم کی تربیت اور اس کو نشو ونما دینا اور یہ خدا کا فعل ہے جس طرح موت اور زندگی عطا کرنا اللہ کا فعل ہے اور انسان ان افعال پر قادر نہیں ہے کیوں کہ یہ خدا کی صفات ہیں اور دوسری قسم ہے رزقِ مقسوم۔ اس کی تلاش بھی انسان کو لازم نہیں کیوں کہ وہ تو رزق مضمون کا محتاج ہے اور رزق مضمون کا ضامن خدا ہے[3] امام موصوف کا کہنا ہے کہ انبیاء کرام اور اولیاء عظام رزق کے معاملہ میں خدا پر توکل رکھتے تھے اور بہت ہی کم رزق تلاش کرتے تھے۔ بلکہ اپنے آپ کو خدا کی عبادت کے لیے فارغ رکھتے تھے اور اس پر اتفاق ہے کہ انھوں نے تلاش رزق کو ترک کرکے اللہ کی نافرمانی نہیں کی نہ ہی وہ علمِ الٰہی کے تارک ہوئے، اس سے واضح ہو گیا

---

[1] احیاء علوم الدین ج ۴ ص ۲۰۹ [2] منہاج العابدین ص ۴ ۵

[3] منہاج العابدین ص ۴ ۵۔ امام غزالی کہتے ہیں کہ ایک جماعت جنید بغدادی کے پاس آئی شیخ نے پوچھا کیا چیز طلب کرتے ہو؟ لوگوں نے کہا ہم رزق کی تلاش ہے۔ یہ سن کر شیخ نے کہا "اگر تمہیں معلوم ہے کہ کس جگہ رزق ملے گا تو طلب کرو۔ انھوں نے کہا "ہم اللہ سے مانگیں" شیخ نے جواب دیا۔ اگر تمہیں یقین ہے کہ اللہ نے تمہیں بھلایا ہے تو اسے یاد دلاؤ۔ ان لوگوں نے کہا تو کیا ہم گھر میں بیٹھ کر توکل کریں اور انتظار کریں۔ شیخ نے اس پر کہا =

کہ رزق اور اسباب رزق کی تلاش کوئی ضروری نہیں[۱] امام موصوف نے کسب معاش کو اگرچہ توکل کے منافی قرار نہیں دیا ہے تاہم ان کی رائے ہے کہ توکل کا اعلیٰ مقام یہ ہے کہ بندہ اپنی حرکات وسکنات میں اللہ تعالیٰ کے سامنے ایسا ہو جائے جس طرح مردہ انسان غسال کے ہاتھوں میں ہوتا ہے[۲] توکل کی تعریف میں انھوں نے صوفیہ کے جو اقوال نقل کیے ہیں وہ بھی ان کے تصور توکل کے بارے میں غور وفکر کی دعوت دیتے ہیں مثلاً سہل بن عبداللہ تستری کا یہ قول پیش کیا گیا ہے۔ "توکل ترکِ تدبیر کا نام ہے"[۳] انھیں کا دوسرا قول ہے "من طعن علی التکسب فقد طعن علی السنۃ ومن طعن علی ترك التکسب فقد طعن علی التوحید"[۴] (جس نے کسب معاش پر طعن کیا تو اس نے سنت پر طعنہ زنی کی اور جس نے ترکِ کسب پر طعنہ زنی کی اس نے توحید کو مطعون کیا) سیاحت بھی تصوف کا جزوِ لاینفک رہی ہے توکل کا اصل مظاہرہ تو سیاحت میں ہونا چاہیے امام غزالی کی رائے ہے کہ دوران سیاحت میں متوکل کو کچھ ضروری چیزیں ساتھ رکھنی چاہئیں اُن سے اس کا توکل مجروح نہیں ہوتا چنانچہ احیاء العلوم میں متعدد جگہ ہے کہ ابراہیم خواص سفر میں، سوئی، قینچی، رسی اور چھاگل اپنے ساتھ رکھتے تھے[۵] زادِراہ کے متعلق امام موصوف کہتے ہیں اگر تیرا دل توکل میں محکم ہو تو تیرے لیے بے زادراہ صحرانوردی درست ہے ورنہ تو بھی عوام کی طرح زادِراہ لے کر چل[۶] بے زادراہ صحرانوردی کے ذیل میں انھوں نے صوفیہ کے متعدد واقعات نقل کیے ہیں جن پر ان کے مخالفین نے ان کی تنقید کی ہے۔

ادخار کے سلسلہ میں امام غزالی نے متوکلین کی تقریباً وہی درجہ بندی کی ہے جو زہد اور فقر کے بارے میں اوپر بیان ہوئی ہے[۷]

امام موصوف کے بقول متوکل جب سفر کرے تو اس کے آداب یہ ہیں (ا) متوکل گھر سے روانہ ہوتے وقت دروازے پر صرف ایک تالا لگائے اور سامان کی حفاظت پر زیادہ دھیان نہ دے مثلاً ہمسایوں کو گھر کی حفاظت کی تاکید نہیں کرنی چاہیئے[۸] (ب) گھر میں ایسا

= "تجربہ کرنا شک ہے" لوگوں نے کہا تو کیا تدبیر اختیار کی جائے شیخ جنید نے کہا "ترک تدبیر" دیکھئے احیاء علوم الدین ج ۴ ص ۲۳۶

[۱] منہاج العابدین ص ۵۵ [۲] احیاء علوم الدین ج ۴ ص ۲۲۵ [۳] احیاء علوم الدین ج ۴ ص ۲۳۰

[۴] احیاء علوم الدین ج ۴ ص ۲۳۶ [۵] احیاء علوم الدین ج ۴ ص ۲۲۱، ج ۴ ص ۲۲۹

[۶] منہاج العابدین ص ۵۵ [۷] احیاء علوم الدین ج ۴ ص ۲۳۵ [۸] ایضاً ص ۲۴۲

سامان نہ چھوڑے جو دوسروں کو چوری کی طرف راغب کرکے ان کی معصیت کا سبب بن جائے[۱] (ج) متوکل کو گھر سے روانہ ہوتے وقت یہ فیصلہ کرنا چاہیے کہ جائداد چوری ہونے کی صورت میں وہ راضی بقضا ہوگا اور یہ کہ وہ چور کو معاف کرے گا یا چور جو کچھ لے گیا ہے وہ اللہ کی راہ میں صدقہ ہے کیوں کہ ممکن ہے وہ غریب ہو اولیٰ یہ ہے کہ اس میں غریبی کی شرط بھی نہ پائی جائے اس کو سوچنا چاہئے کہ اسے امیر نے چرایا ہوگا یا غریب نے اس میں دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اس کی (مسروقہ) جائداد چور کو گناہ سے باز رکھے گی اور دوسری بات یہ ہے کہ اس طرح کسی دوسرے مسلمان بھائی کی جائداد چوری ہونے سے بچ گئی[۲] (د) متوکل جب گھر میں دیکھے کہ سامان چوری ہوگیا ہے تو اسے غمگین نہیں بلکہ خوش ہونا چاہئے کیوں کہ اگر اس میں بھلائی نہ ہوتی تو اللہ اسے چھین نہ لیتا پھر اگر اس نے یہ مال خدا کی راہ میں صرف نہیں کیا ہے تو مال کی بازیافت اور مسلمانوں کے متعلق بدگمانی میں متوکل کو حد سے نہیں بڑھنا چاہئے اور اگر اس نے یہ مال خدا کی راہ میں لگا دیا ہے تو اس کی تلاش نہیں کرنی چاہیے کیوں کہ اس صورت میں یہ مال اس کے لیے آخرت میں ذخیرہ ثابت ہوگا اگر اسے یہ مال واپس مل بھی جائے تو قبول نہیں کرنا چاہیے کیوں کہ یہ مال اس نے راہ خدا میں دیا ہے اگر اس نے قبول کیا تو ظاہر علم میں یہ مال اس کی ملکیت تو ہوگی لیکن متوکلین کے نزدیک ناپسندیدہ ہے[۳] (ہ) متوکل چور کو بد دعا نہ دے اس صورت میں دائرۂ توکل سے خارج ہو جائے گا[۴]

(و) آخر میں اسے چور کے انجام، اس کی سرکشی اور اس کے عذاب الٰہی کا سامنا کرنے پر افسوس کرنا چاہیے اور خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس نے اسے مظلوم بنایا ظالم نہیں اور مال کو دنیاوی نقصان بنایا دینی نہیں[۵] سوال یہ ہے کہ متوکل کے پاس اتنا سامان کہاں سے آگیا جو چوری ہوا امام غزالی نے اس کا جواب پہلے دیا ہے کہتے ہیں "متوکل کا گھر سامان سے خالی نہیں ہو سکتا۔ اس کے پاس کھانے کے لیے کوئی پیالہ یا برتن، پینے کے لیے چھاگل یا وضو کے لیے کوئی دوسرا برتن اور سامان کے لیے ایک تھیلا، دشمن کی حفاظت کے لیے لاٹھی وغیرہ تو ہو سکتا ہے یہ بھی امکان ہے کہ اسے کوئی مال ہاتھ آگیا ہو اور ابھی تک اس مال کے لیے کوئی محتاج نہ ملا ہو جس پر وہ مال خرچ کیا جا سکے۔ اس صورت میں مال کو اپنے پاس رکھنا توکل کے منافی نہیں ہے اور نہ یہ توکل

---

[۱] احیاء علوم الدین ج ۴ ص ۲۴۲ [۲] احیاء علوم الدین ج ۴ ص ۲۴۳ [۳] ایضاً
[۴] احیاء علوم الدین ج ۴ ص ۲۴۳ [۵] احیاء علوم الدین ج ۴ ص ۲۴۳

کی شرط ہے کہ تھیلا اور پیالہ بھی گھر سے دور پھینکے کیوں کہ اللہ کی سنت تو یہ ہے کہ وہ مساجد کے گوشوں میں فقراء متوکلین کو روزی مہیا کرتا رہے لیکن اس کی سنت نہیں ہے کہ وہ ہر روز یا ہر ہفتہ کو نے اور تھیلے بھی تقسیم کرتا پھرے۔[1]

علاج معالجہ کے سلسلے میں صوفیہ کا نظریہ یہ ہے کہ ترکِ علاج بہرحال بہتر ہے۔ امام غزالی کی رائے ہے کہ احوال و اشخاص کے مطابق علاج یا ترکِ علاج کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔ امام غزالی کی رائے ہے کہ حسب ذیل حالات میں مریض کے لیے ترکِ علاج بہتر ہے اور یہ اس کے قوت توکل کی دلیل ہے (ا) مریض کو بذریعہ کشف معلوم ہوا ہو کہ دنیا میں اس کے دن پورے ہوگئے ہیں اور دوا سے اسے کوئی فائدہ پہنچنے والا نہیں اور یہ بات اسے کبھی رویائے صادقہ سے، کبھی ظن و تخمین سے اور کبھی کشف محقق سے معلوم ہوسکتا ہے[2] (ب) مریض اپنے حال میں مشغول، اپنے انجام سے خائف اور خدا سے لو لگائے ہو اور ان چیزوں سے اسے درد کی شدت کا احساس نہ ہو اس صورت میں اس کا دل علاج کے لیے مائل نہ ہوگا۔[3] (ج) مریض دائمی ہو اور اس کا علاج ایسا ہو جو موہوم النفع ہو[4] (د) مریض بیماری کو طول دینا چاہتا ہو تاکہ اس مصیبت پر صبر کرنے کے بدلے اللہ تعالیٰ اسے ثواب دے یا اپنے صبر کے امتحان کے لیے وہ اپنے نفس کو آزمائش میں ڈالنا چاہتا ہو۔[5] (ہ) مریض سے قبل ازیں گناہ سرزد ہوئے ہوں اور وہ ان کا کفارہ دینے سے عاجز ہو اس لیے وہ طوالتِ مرض کو کفارہ سمجھتا ہو اور علاج کرنے کی صورت میں کفارہ کی ادائیگی فوت ہوجانے کا اندیشہ رکھتا ہو کیونکہ اس صورت میں بیماری کے تیزی سے ختم ہوجانے کا احتمال ہے (و) مریض کو یہ خیال ہو کہ صحت مند ہونے کی صورت میں اسے گناہوں کے ارتکاب کا خدشہ ہو۔[6]

مذکورہ بالا صورتوں میں امام غزالی ترک علاج کو بہتر سمجھتے ہیں انھوں نے ان شرائط کے ذیل میں احادیث و آثار اقوال صوفیہ سے استدلال کیا ہے۔ اپنے اس باب میں انھوں نے سہل بن عبداللہ تستری کے اقوال جا بجا دئے ہیں مثلاً سہل کا کہنا ہے کہ جسموں کی بیماریاں رحمت ہوتی ہیں اور دلوں کی عقوبت[7] ان کا کہنا تھا کہ ترکِ علاج اگرچہ اس سے کمزوری واقع ہونے کی

---

[1] احیاء علوم الدین ج ۴ ص ۲۴۱ [2] احیاء علوم الدین ج ۴ ص ۲۴۶ [3] ایضاً
[4] ایضاً ص ۲۴۷ [5] ایضاً [6] ایضاً [7] ایضاً ص ۲۴۷ - ۲۴۸

بنا پر (مریض) عبادات وفرائض کی ادائیگی سے قاصر رہے اس علاج سے بہتر ہے جو عبادات (کی ادائیگی کے لیے طاقت حاصل کرنے کی) غرض سے کیا جائے[۱] جب وہ کسی ایسے آدمی کو دیکھتے تھے جو کمزوری کی وجہ سے بیٹھ کر نماز ادا کرتا ہے اور اعمال نیک کی استطاعت نہیں رکھتا اور پھر قوتِ قیام کے حصول کے لیے علاج کرتا تو سہل تعجب کرتے اور کہتے کہ اس شخص کا اپنے حال پر راضی ہوکر بیٹھ کر نماز پڑھنا قوت حاصل کرنے کے لیے علاج کرنے اور کھڑے ہوکر نماز پڑھنے سے افضل ہے[۲] ان سے جب دوائی پینے کے متعلق پوچھا گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ دوائی کا استعمال کمزوروں کے لیے اللہ کی وسعت ہے لیکن جو دوائی استعمال نہیں کرتا ہے وہ افضل ہے کیونکہ دوا استعمال کرنے والے شخص سے چاہے اس نے صرف ٹھنڈا پانی ہی استعمال کیوں نہ کیا ہو سوال ضرور ہوگا کہ اس نے دوا کیوں استعمال کی؟ اور جس نے دوا استعمال کی ہی نہیں اس سے (قیامت میں) سوال ہی نہ ہوگا۔[۳]

متوکل کے لیے ترک علاج پسندیدہ سہی لیکن اخفائے مرض ضروری ہے صرف مخصوص حالات میں مرض کے اظہار کو روا رکھا گیا ہے (ا) اظہار مرض کے لیے مریض کی غرض علاج ہو تو وہ طبیب کے سامنے شکایتاً نہیں بلکہ حکایتاً اس کا اظہار کرے (ب) طبیب کے علاوہ کسی دینی پیشوا کے سامنے اپنے مرض کا اظہار کرے جس سے مقصود یہ ہے کہ وہ اس سے حسنِ صبر اور حسن شکر کی تعلیم پائے (ج) اظہار مرض سے اس کا مقصد خدا کے سامنے اپنی عاجزی اور بے بسی کو ظاہر کرنا ہو اور یہ کسی صاحب قوت وشجاعت کے سامنے زیادہ مناسب ہے[۴] امام غزالی کا کہنا ہے کہ جس نے توکل کی وجہ سے ترک علاج کیا ہو اسے اظہار مرض کا حق اس لیے بھی نہیں پہنچتا کہ تسکین اظہار سے تسکین علاج افضل ہے[۵] امام غزالی کے یہاں بھی وحدۃ الوجود جیسے متنازعہ نظریات ملتے ہیں جن کی وکالت پر ابن عربی لعد مرگا فی مطعون ہوئے۔ امام موصوف توحید کی چار قسمیں بیان کرتے ہیں اور توحید کی چوتھی قسم کو اعلیٰ ترین قسم شمار کرتے ہیں جسے صوفیا فنا فی التوحید کہتے ہیں[۶] اس کے متعلق ان کا کہنا ہے اس میں آدمی توحید میں اتنا مستغرق ہوجاتا ہے کہ اسے وجود واحد کے سوا کچھ نہیں دکھائی دیتا وہ اپنے نفس اور مخلوق سے بھی غافل ہوتا ہے[۷] اس سوال کے جواب میں کہ اسے ارض وسما، اور اجسام محسوسہ جو کثرت میں ہیں کے مشاہدہ میں صرف ایک وجود کا مشاہدہ کیوں ہوتا ہے (بالفاظ دیگر اسے وحدت میں

۱؎ احیاء علوم الدین ج ۴ ص ۲۴۷، ۲۴۸ ۲؎ ایضاً ج ۴ ص ۲۴۸ ۳؎ ایضاً ۴؎ ایضاً ص ۲۵۱ ۵؎ ایضاً ص ۲۵۲
۶؎ ایضاً ص ۲۱۲ ۷؎ ایضاً

کثرت نظر کیوں آتی ہے) امام غزالی فرماتے ہیں کہ علوم مکاشفات کی اصل غایت یہی ہے اور اس علم کے اسرار زیرِ تحریر نہیں لائے جا سکتے کیوں کہ حدیث عارفاں ہے کہ سرِ ربوبیت کو فاش کرنا کفر ہے[1] ان کا کہنا ہے کہ عارف جب آسمان حقیقت کی طرف پرواز کرتے ہیں تو ان کو صرف وجودِ واحد دکھائی دیتا ہے البتہ ان میں کچھ لوگ ہیں جن کو یہ حال عرفان و علم کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے اور کچھ کو ذوق و حال سے، ان سے کثرت بکلی اٹھ جاتی ہے اور وہ فردانیت محض میں کھو جاتے ہیں ان کے نزدیک سوائے اللہ کے کوئی باقی نہیں رہتا وہ نشہ (توحید) سے مدہوش ہوتے ہیں اور عقل رخصت ہوتی ہے تو ان میں سے کوئی کہہ اٹھتا ہے "انا الحق" کوئی "سبحانی ما اعظم شانی" اور کوئی "ما فی الجبۃ الا اللہ" پکار اٹھتا ہے حالتِ سکر میں عاشقوں کے کلام کی کیفیت بیان نہیں کی جاتی۔ پھر جب مدہوشی دور ہوتی ہے اور عقل لوٹ آتی ہے تو ان کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ حقیقت اتحاد نہیں بلکہ اتحاد کے مشابہ تھی اس حالت کو لسانِ مجاز میں اتحاد اور زبان حقیقت میں توحید کہا جاتا ہے۔ ان حقائق کے پیچھے وہ اسرار ہیں جن پر غور و خوض کرنا جائز نہیں[2] امام غزالی کے کے نزدیک لا الٰہ الا اللہ عوام کی توحید ہے اور لا ہو الا ہو خواص کی توحید ہے کیوں کہ یہ مملکتِ فردانیتِ محض کی وہ توحید ہے جہاں کثرت اٹھ جاتی ہے، وحدت عیاں ہو جاتی ہے اضافت بیکار اور اشارہ ختم ہوتا ہے[3] امام غزالی نے اس ناقابل بیان علم کے متعلق اپنے شاگردوں کے لیے کچھ کتابیں لکھی تھیں جنھیں عام لوگوں سے چھپایا گیا[4] امام غزالی نے اگرچہ نکاح کے بارے میں محتاط رویہ اپنایا ہے لیکن نہاں خانۂ دل سے نکلنے والی آواز تجرد کو بہتر سمجھتی ہے[5] سماع کے متعلق بھی انھوں نے وہی رویہ اختیار کیا ہے جو اکابرین صوفیہ کا رہا ہے[6]

امام غزالی کی تصنیفات میں سب سے زیادہ مقبولیت احیاء العلوم کو ملی۔ یہ کتاب شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے۔ علماء اسلام نے اس کتاب کے ساتھ جو اعتنا برتا وہ شاید ہی کسی دوسری کتاب کے نصیب میں رہا ہو، اس کتاب کی متعدد شرحیں لکھی گئیں۔ اسی کتاب کی وجہ سے

---

[1] ایضاً صـ ۲۱۲-۲۱۳ [2] (ابو حامد) الغزالی، مشکاۃ الانوار مطبوعہ مصر ۱۹۳۴ صـ ۱۲۲ [3] مشکاۃ الانوار صـ ۱۲۵ [4] M. UMAPUDDIN, THE ETHICAL PHILOSOPHY OF AL-GHAZZALI

A.M.U. PRESS 1st EDN 1962 P. 107-108

[5] احیاء علوم الدین ج ۲ صـ ۲۲ [6] احیاء علوم الدین ج ۲ صـ ۲۳۸ و مابعد بذیل "بیان الدلیل علی اباحۃ السماع"

امام غزالی اپنی وفات سے لے کر آج تک مسلمانوں کے دل و دماغ پر اس طرح چھائے ہوئے ہیں کہ اس میں کوئی دوسرا ان کا شریک و سہیم نہیں ہے ان کو "حجۃ الاسلام" اور پانچویں صدی کا مجدد کہا گیا۔ ان کے افکار و خیالات کی اشاعت کے لیے علماء کی ایک جماعت ہمیشہ کمربستہ رہی۔ ان کی غیر معمولی قابلیت کے باب میں عجیب و غریب خواب بیان کیے گئے۔ مغرب کے مشہور فقیہ ابوالحسن علی بن حرزہم احیاء کا انکار کرتے تھے۔ ایک دن خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تشریف فرما ہیں اور امام غزالی نے ابن حرزہم کی دشمنی کے بارے میں انصاف چاہی۔ یہ دیکھ کر رسول اللہؐ نے حکم دیا کہ ابن حرزہم کا کرتا اتار کر انھیں کوڑے لگائے جائیں جب پانچ کوڑے مارے گئے تو حضرت صدیق اکبرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابن حرزہم نے شاید جو کچھ کیا ہے اتباع سنت میں کیا ہے چنانچہ ان کو چھوڑ دیا گیا صبح دیکھا گیا تو ان کی پیٹھ پر کوڑوں کے نشانات تھے۔[1] امام غزالی کے ہم عصر صوفی قطب شاذلی کے ساتھ بھی ایسا ہی واقعہ گزرا ہے چنانچہ وہ بھی بعد میں امام موصوف کے عقیدت مند ہو گئے۔[2] ابوالحسن شاذلی نے خواب میں دیکھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عیسیٰؑ اور حضرت موسیٰؑ سے فخریہ انداز میں پوچھتے ہیں کہ کیا آپ کی امتوں میں ایسا آدمی گزرا ہے؟ دونوں نے جواب دیا "نہیں"۔[3] یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ان کے مداحوں میں تصوف کے ذوق آشنا علماء بکثرت نظر آتے ہیں ان کی خوش قسمتی تھی کہ انھیں زبیدی اور سبکی جیسے حامی ملے جنھوں نے انھیں، ناقابل چیلنج، تشخص عطا کیا۔ سبکی نے ان کے مخالفین کے اعتراضات کو رد کرنے کی کوشش کی ہے اور زبیدی نے دس جلدوں میں "اتحاف السادۃ المتقبن" کے نام سے احیاء کی شرح لکھی جس کے شروع میں مخالفین کے اعتراضات کے جوابات دئے ہیں خود احیاء کی تعریف میں علماء نے زمین و آسمان کے قلابے ملا دئے۔ امام موصوف کے شاگرد عبدالغافر فارسی کا کہنا ہے کہ اس جیسی کتاب اس سے پہلے لکھی نہیں گئی ہے۔[4] شارح مسلم النووی کا کہنا ہے کہ "احیاء قرآن کے لگ بھگ ہے"۔[5] شیخ ابومحمد کازرونی کا قول ہے کہ اگر تمام علوم مٹا دئے جائیں

---

[1] شیخ عبدالقادر بن شیخ عبداللہ بن شیخ عبداللہ العیدروس، تعریف الاحیاء بفضائل الاحیاء علی ہامش احیاء علوم الدین، دار الکتب العربی الکبری احمد ۱۳۳۴ھ ج ۱ ص ۹-۱۱ [2] الغزالی ص ۴۹-۵۰
[3] اتحاف السادۃ المتقبن ج ۱ ص ۹ مناوی کہتے ہیں کہ ایک بڑے بزرگ نے کہا "لوکان نبی بعد النبی لکان الغزالی" اتحاف السادۃ المتقبن ج ۱ ص ۹ [4] تعریف الاحیاء بفضائل الاحیاء علی ہامش احیاء علوم الدین ج ۱ ص ۱۵ الغزالی ص ۴۹
[5] تعریف الاحیاء بفضائل الاحیاء علی ہامش احیاء علوم الدین ج ۱ ص ۱۵ الغزالی ص ۴۹

تو میں احیاء کے ذریعہ ان سب کو زندہ کروں گا[۱]

احیاء علوم الدین امام غزالی کی شاہکار تو ہے لیکن معترضین کے لیے مخالفت کا بیشتر سامان اسی کتاب کے اندر موجود ہے احیاء پر سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ اس میں موضوع احادیث کی بھرمار ہے۔ ابن جوزی نے احیاء پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے "وجاء ابو حامد الغزالی فصنف کتاب الاحیاء علی طریق القوم وملاہ بالاحادیث الباطلۃ"[۲] ابن تیمیہ نے بھی موضوع احادیث کو احیاء کے نقائص میں گردانا ہے[۳] حافظ عراقی نے احیاء کے احادیث کی تخریج کی لیکن بیشتر احادیث کے بارے میں انھیں "لم اجد لہا اسناداً" (مجھے اس کی اسناد نہیں ملیں) کہہ کر خاموش ہونا پڑا[۴] سبکی نے احیاء کی بے سند احادیث پر ایک باب باندھا ہے جس کا عنوان ہے "ھذا فصل جمعت فیہ جمیع ما وقع فی کتاب الاحیاء من الاحادیث التی لم اجد لہا اسناداً" اس باب میں انھوں نے ایک سو دو صفحات صرف کیے ہیں جن میں امام غزالی کی بیان کردہ احادیث نقل کی ہیں[۵]۔ ایک اندازے کے مطابق اس میں چھ سو ضعیف اور موضوع حدیثیں ہیں[۶]۔ ابن رشد نے بھی امام غزالی پر تنقید کی ہے ان کا کہنا ہے کہ "اس امت کے لیے جو بہترین دوا تجویز ہوئی تھی اسے سب سے پہلے خوارج نے، اس کے بعد معتزلہ نے، پھر اشعریوں نے، اس کے بعد صوفیہ نے بدل دیا، آخر میں ابو حامد نے تو تابوت میں آخری کیل بھی ٹھونک دی"[۷] امام ماذری نے بھی احیاء کی ضعیف اور موضوع احادیث پر اعتراض کیا ہے۔ ان کا اعتراض ہے کہ امام غزالی ایسی چیزوں کو مستحسن قرار دیتے ہیں جن کی اصل ہی مفقود ہے[۸] ابو الولید طرطوشی ابن مظفر کے نام امام غزالی کا اس طرح ذکر کرتے ہیں "میں نے غزالی کو دیکھا ہے بے شبہ وہ نہایت ذہین، فاضل اور واقف فن ہیں ایک مدت تک وہ علوم کے درس و تدریس میں مشغول رہے لیکن اخیر میں سب

---

[۱] تعریف الاحیاء بفضائل الاحیاء علی ہامش احیاء علوم الدین ج ۱ ص ۱۵

[۲] ابن جوزی، تلبیس ابلیس، دار الطباعۃ المنیریہ القاہرہ الطبعۃ الثانیہ ۱۳۶۹ھ / ۱۹۵۰ء ص ۱۶۶

[۳] مجموع فتاوی ج ۱۰ ص ۵۵۲، ج ۱۱ ص ۵۷۹، ج ۱۳ ص ۵۵۲

[۴] دیکھئے المغنی علی ہامش احیاء علوم الدین دار الکتب العربیہ الکبری مصر ۱۳۳۴ھ

[۵] ابن سبکی، طبقات الشافعیہ الکبری، المطبعۃ عیسی البابی الحلبی وشرکاہ ۱۳۸۸ھ / ۱۹۶۸ء ج ۶ ص ۲۸۷ – ۳۸۹

[۶] الاخلاق عند الغزالی ص ۸۵، عبد السلام ندوی، حکماء اسلام مطبع معارف اعظم گڑھ ۱۹۵۳ء ج ۱ ص ۴۲۵

[۷] ابن رشد، الکشف عن مناہج الادلہ فی عقائد الملۃ مشمولہ فلسفہ ابن رشد المطبعۃ الحمیدیہ المصریہ ۱۳۱۹ھ ص ۵۷

[۸] اتحاف السادۃ المتقین ج ۱ ص ۲۸، الاخلاق عند الغزالی ص ۹۷

چھوڑ چھاڑ کر صوفیوں سے جا ملے اور فلاسفہ کے خیالات اور منصور حلاّج کے معمے مذہب میں ملا دیئے۔ فقہاء و متکلمین کو برا کہنا شروع کیا اور قریب تھا کہ مذہب کے دائرے سے نکل جائیں احیاء العلوم لکھی تو چونکہ تصوف میں پوری مہارت نہیں تھی اس لیے منہ کے بل گرے اور پوری کتاب میں موضوع احادیث بھر دیں[1] اسپین میں قاضی عیاض کی ایماء پر سنہ ۵۰۳ھ میں مریہ کے مقام پر امام غزالی کی تصنیفات نذر آتش کی گئیں[2] غزالی کے اردو سوانح نگار مولانا شبلی نعمانی نے بھی امام غزالی سے مازری، طرطوشی، ابن جوزی، ابن تیمیہ، ابن قیم، قاضی عیاض وغیرہم کے اختلافات کا ذکر کیا ہے خود ان کو اعتراف ہے کہ امام صاحب کی بعض تصنیفات میں بعض باتیں قابل مواخذہ ہیں مثلاً احادیث کے نقل کرنے میں بے احتیاطی کی ہے سیکڑوں، ہزاروں حدیثیں موضوع اور ضعیف نقل کر دی ہیں جن کا کتب احادیث میں کہیں پتہ نہیں ہے احادیث پر موقوف نہیں بزرگان سلف کے متعلق جو واقعات لکھے ہیں اکثر دور از کار اور بعید از عقل ہیں اور بجز عوام کے کوئی شخص ان پر یقین نہیں کر سکتا اسی کے ساتھ زہد اور مجاہدہ میں ایسی باتیں لکھ دی ہیں جو اعتدال سے متجاوز ہیں[3]

امام غزالی کے ناقدین کی فہرست دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں زیادہ تر علماء شریعت ہیں جو فتویٰ و قضاء کے ہتھیاروں سے لیس تھے اس کے برعکس ان کے حامی تصوف

---

[1] طبقات الشافعیۃ الکبری ج ۶ ص ۲۴۲-۲۴۳ / الغزالی ص ۲۷۔ اصل عبارت کا ترجمہ دینے کے بجائے مولانا شبلی کا ترجمہ دیا گیا جس سے کم الفاظ میں سارا مفہوم ادا ہوتا ہے۔ [2] الغزالی ص ۲۶۷-۲۶۸

[3] الغزالی ص ۲۷۱-۲۷۲ تاریخ دعوت و عزیمت کے مصنف مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے امام غزالی کے ناقدین میں صرف ابن تیمیہ اور ابن جوزی کا ذکر کیا ہے جبکہ ناقدین کی فہرست میں بکثرت چوٹی کے علماء موجود ہیں مذکورہ دو علماء کی مخالفت کو بھی بہت ہلکے انداز میں پیش کیا ہے جو صحیح نہیں ہے اس لحاظ سے امام غزالی پر اردو میں علمی انداز سے اور کمال دیانتداری کے ساتھ تنقید کا سہرا اب بھی مولانا شبلی ہی کے سر ہے۔ ابن جوزی کی مخالفت کا ذکر کرتے ہوئے مولانا ندوی لکھتے ہیں "ان نقائص کے باوجود وہ احیاء العلوم کی اہمیت و مقبولیت کے قائل ہیں اور انھوں نے منہاج القاصدین کے نام سے اس کا اختصار کیا ہے جس میں انھوں نے قابل اعتراض چیزوں کو حذف کر دیا ہے لیکن اس کتاب میں اصل کتاب کی روح اور تاثیر باقی نہیں رہی۔ دیکھئے "تاریخ دعوت و عزیمت" مجلس تحقیقات و نشریات اسلام ندوۃ العلماء لکھنو۔ بار دوم ۱۳۸۹ھ / ۱۹۶۹ء ۱: ۲۱۹۔ سوال پیدا ہوتا ہے کیا اصل کتاب کی روح انھیں قابل اعتراض چیزوں ہی سے وابستہ تھی؟

کے ذوق چشیدہ تھے اس لحاظ سے تو یہ دیکھا جائے کہ یہ جنگ تصوف اور شریعت کے درمیان نظر آتی ہے۔ مخالفین نے احیاء کی بعض عبارتوں پر سخت اعتراضات کیے۔ ہم یہاں نمونہ کے طور پر ان اعتراضات کی ایک جھلک پیش کریں گے جو تصوف سے متعلق ان کی عبارتوں پر وارد ہوئے۔

امام غزالی نے عالم کی ہئیت کے بارے میں لکھا ہے کہ موجودہ عالم سے بہتر پیدا کرنا ممکن نہ تھا[1]" اس کے متعلق علماء کی رائے ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کا عجز لازم آتا ہے بعض علماء نے اس عبارت کے متعلق سکوت اختیار کیا ہے اور بعض نے سخت کلمات استعمال کیے ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ کفر صریح ہے"[2] امام غزالی کہتے ہیں کہ صوفیہ کے لیے غلبۂ حال میں کپڑے پھاڑ ڈالنا مباح ہے کیوں کہ اس کے مربع ٹکڑوں سے دوسرے کپڑوں اور سجادوں میں پیوند لگایا جاسکتا ہے[3] ابن جوزی نے اس پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ مجھے اس آدمی پر حیرت ہے کس طرح اہل تصوف کی محبت نے اس شخص کو اصول فقہ اور مسلک شافعی سے دور پھینک دیا ہے[4] ابن جوزی نے فقہی زاویہ نگاہ سے بھی ان کے اس قول کو باطل ثابت کیا اور کہا کہ حیرت اس پر نہیں کہ ابلیس جہلاء پر تلبیس کرتا ہے بلکہ اس نے ان فقہاء پر بھی کیا ہے جنھوں نے ابوحنیفہؒ، شافعیؒ، مالکؒ اور احمدؒ کو چھوڑ کر صوفیہ کی بدعتوں کو اختیار کیا[5] زبیدی نے ابن جوزی کے اس اعتراض کا جو جواب دیا ہے[6] وہ بقول ڈاکٹر زکی مبارک مضحکہ خیزی میں اپنی مثال آپ ہے[7]

امام غزالی کی قابلِ اعتراض عبارتوں میں ان کا یہ قول بھی ہے" ریاضت سے مقصود فراغتِ قلب ہے اور یہ صرف خلوت اور تاریک جگہ میں ممکن ہے اگر ایسی جگہ نہ ملے تو آدمی اپنے گریبان میں منہ ڈالے یا چادر سے سر ڈھانک لے کیوں کہ اس حالت میں وہ ندائے حق سنے گا اور جلالِ ربوبیت کا مشاہدہ کرے گا[8]" ابن جوزی نے اس پر تعجب کا اظہار کیا کہ ایک فقیہہ کے قلم سے یہ سب کیوں کر صادر ہوا۔ یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ جس آواز کو وہ سنے گا وہ حق کی آواز ہوگی اور

---

[1] احیاء علوم الدین ج ۴ صـ۲۲۳، الاخلاق عند الغزالی ص ۷۹، اتحاف السادۃ المتقین ج ۱ صـ۳۲

[2] الاخلاق عند الغزالی صـ۷۹، اتحاف السادۃ المتقین ج ۱ صـ۳۲ [3] احیاء علوم الدین ج ۲ صـ۲۶۸

[4] تلبیس ابلیس ص ۳۶۳ ـ اتحاف السادۃ المتقین ج ۱ صـ۳۲ الاخلاق عند الغزالی صـ۷۹

[5] تلبیس ابلیس صـ۳۶۳-۳۶۴ [6] اتحاف السادۃ المتقین ج ۱ صـ۳۲ [7] الاخلاق عند الغزالی صـ۷۹

[8] احیاء علوم الدین ج ۳ صـ۶۶ (طویل عبارت کا خلاصہ ہے لیکن علامہ زبیدی نے اتنا ہی نقل کیا ہے۔)

اور جس چیز کا وہ مشاہدہ کرتا ہے وہ جلالِ ربوبیت ہے اس بات کا کیا اطمینان کہ یہ سب چیزیں وساوس اور خیالات فاسدہ نہیں ہیں زیادہ گمان یہی ہے کہ قلتِ طعام کی وجہ سے انسان کو مالیخولیا ہو جائے۔ اس کی وجہ سے وہ ایسی چیزیں سننے اور دیکھنے لگے[1] امام غزالی نے ابوحمزہ بغدادی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ مجھے اللہ سے شرم آتی ہے کہ توکل کا اعتقاد کر کے شکم سیری کی حالت میں صحرا میں داخل ہوں اس خوف سے کہیں میری شکم سیری زادِ راہ نہ بن جائے۔ خود غزالی نے لکھا ہے کہ ابوحمزہ کا یہ قول صحیح ہے لیکن دو شرطیں ہیں پہلی شرط یہ ہے کہ وہ ایک ہفتہ تک بغیر طعام کے صبر کر سکتا ہو اور دوسری شرط یہ ہے کہ وہ گھاس کھا کر گزارہ کر سکے اور ایک ہفتہ کے بعد اسے ایسے آدمی سے ملاقات کا امکان ہو جس کے ساتھ طعام ہو یا وہ ایسی جگہ پہنچ جائے جہاں بستی ہو اور وہ گھاس پا سکے[2]۔ ابن قیم نے اس پر اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے امام غزالی جیسے فقیہ کے قلم سے یہ بہت برا قول ہے جو نکل پڑا ہے کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ اس شخص کو کوئی نہ ملے اور وہ راستہ بھول جائے، یا بیمار پڑ جائے یا آدمی مل بھی جائے تو اسے کھانا نہ دے یا یہ کہ اسے موت آجائے تو کوئی دفن نہ کرے[3] امام غزالی نے ایک صوفی کے متعلق لکھا ہے کہ انھوں نے توکل کا امتحان لینے کی غرض سے ایک جنگل میں رات گزاری جہاں درندے بہت تھے[4] معترضین کا کہنا ہے کہ غزالی کو اس شخص کی تائید کرنے بجائے اس کی مذمت کرنی چاہیئے تھی[5] امام غزالی سے جب پوچھا گیا کہ اس شخص کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے جو بغیر زادِ راہ کے سفر کرتا ہے؟ انھوں نے جواب دیا "کہ یہ مردانِ خدا کا عمل ہے"۔ معترضین کہتے ہیں کہ یہ فتویٰ قواعد شریعت کے خلاف ہے کیوں کہ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ بغیر زادِ راہ کے جنگل میں سفر کرنا جائز نہیں ہے اگر کسی نے ایسا کیا تو وہ آخرت کی سزا کا مستحق گنہگار ہے[6]۔ امام غزالی نے متعدد جگہ ابو سلیمان دارانی کا یہ قول نقل کیا ہے "جب آدمی حدیث کا علم طلب

---

[1] تلبیس ابلیس ص ۲۸۹ [2] الاخلاق عند الغزالی ص ۸۰، اتحاف السادۃ المتقین ج ۱ ص ۳ [illegible]

ص ۸۲-۸۳

[3] اتحاف السادۃ المتقین ج ۱ ص ۳۵ [4] اتحاف السادۃ المتقین ج ۱ ص ۳۵، الاخلاق عند الغزالی

[5] اتحاف السادۃ المتقین ج ۱ ص ۳۵، الاخلاق عند الغزالی ص ۸۰

[6] اتحاف السادۃ المتقین ج ۱ ص ۳۵، الاخلاق عند الغزالی ص ۸۰

[7] اتحاف السادۃ المتقین ج ۱ ص ۳۵، تلبیس ابلیس ص ۳۰۰

کرے یا طلب معاش میں سفر کرے یا شادی کرے تو وہ دنیا کی طرف مائل ہو گیا[۵۱] ابن جوزی نے اس پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ یہ تینوں باتیں شریعت کے خلاف ہیں آخر علم کیوں نہ حاصل کیا جائے جبکہ حدیث میں آیا ہے کہ فرشتے طالب علم کے لیے اپنے پر بچھاتے ہیں اور حضرت عمر فاروقؓ کا قول ہے کہ مجھے کسب معاش کے دوران مرنا فی سبیل اللہ مرنے کی بہ نسبت زیادہ پسند ہے اور نکاح کیوں نہ کیا جائے جبکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے "تناکحوا تناسلوا..... الخ[۵۲]" امام غزالی نے شیخ جنید بغدادی کا یہ قول بھی نقل کیا ہے "اذا کان الاولاد عقوبۃ شهوة الحلال فما ظنکم بعقوبۃ شهوة الحرام[۵۳] (جب اولاد شہوت حلال کی عقوبت ہے تو حرام کی شہوت کا حال کیا ہوگا) اس پر ابن قیم نے اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ یہ غلطی ہے[۵۴] ان کے اس قول کو ابن جوزی نے بھی تنقید کا نشانہ بنایا ہے امام غزالی نے لکھا ہے کہ ایک سالک کو جب ابتدائے راہ میں شب بیداری سے کچھ گرانی محسوس ہوئی تو اس نے ایک طویل عرصہ تک یہ التزام کیا کہ رات بھر سر کے بل کھڑا رہے تاکہ اس کا نفس بخوشی جاگنے کے لیے آمادہ ہو جائے[۵۵] ایک زاہد نے جب مال و دولت کی محبت کو دل سے نکالنا چاہا تو اپنا سارا اثاثہ بیچ ڈالا اور اس خوف سے کہ لوگوں میں تقسیم کرنے پر شہرت حاصل ہوگی جس سے ریا کا اندیشہ ہے تمام قیمت دریا میں پھینک دی[۵۶] بعض زہاد حلم و بردباری کے فروغ کے لیے اپنے ہاں کوئی ملازم رکھتے جو ان کو بھری محفل میں گالی دیتا[۵۷] ایک زاہد شجاعت پیدا کرنے کے لیے سردی کے موسم میں متلاطم سمندر میں سفر کرتے[۵۸] اور بعض زاہد نیند سے بچنے کے لیے دیوار پر کھڑے رہتے تاکہ گرنے کے خوف سے نیند جاتی رہے[۵۹] ابن قیم نے اس پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مجھے ابو حامد پر حیرت ہے وہ کس طرح ایسی چیزوں کو روا رکھتے ہیں جو خلاف شرع ہیں کسی انسان کے لیے کب جائز ہے کہ وہ رات بھر سر کے بل کھڑا رہے اور کب جائز ہے کہ مال و دولت

---

۵۱ احیاء علوم الدین ج ۲ ص ۲۲ ج ۴ ص ۱۹۷ ۵۲ تلبیس ابلیس ص ۲۹۵ - اتحاف السادۃ المتقین ج ۱ ص ۳۴۴

۵۳ اتحاف السادۃ المتقین ج ۱ ص ۳۴۴ ، الاخلاق عند الغزالی ص ۸۰ تلبیس ابلیس ص ۲۹۷

۵۴ اتحاف السادۃ المتقین ج ۱ ص ۳۴۴ ، الاخلاق عند الغزالی ص ۸۰

۵۵ احیاء علوم الدین ج ۳ ص ۵۴ ۵۶ ایضاً ۵۷ ایضاً ۵۸ ایضاً

۵۹ ایضاً اتحاف ج ۱ ص ۳۸

دریا میں پھینک دے اور کہاں کی شریعت ہے کہ بلاوجہ مسلمانوں کو گالی دی جائے اور کیا مسلمان کے لیے جائز ہے کہ وہ گالی دینے کے لیے ایک آدمی کو اجرت پر رکھے اور کیا یہ جائز ہے کہ ایک آدمی اونچی دیوار پر کھڑا رہے اگر اسے نیند آئے تو گر کر ہلاک ہو جائے۔ آہ ابو حامد نے تصوف کے عوض فقہ کو کتنا سستا بیچ دیا[1]، امام غزالی کہتے ہیں کہ جنید کے استاذ ابن الکرنبی[2] کا کہنا ہے کہ ایک محلہ میں مجھے قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا تو میں پریشان ہو گیا میں نے اس کی یہ تدبیر کی کہ ایک حمام میں جا کر عمدہ عمدہ کپڑے چرا لایا اپنا لبادہ ان کے اوپر لپیٹا اور حمام سے آہستہ آہستہ نکل کر چلنے لگا اتنے میں لوگوں کو پتہ لگا تو انھوں نے دوڑ کر مجھے پکڑا مارا پیٹا اور لصّ الحمام (حمام کا چور) مشہور کر دیا۔ تب میرے دل کو سکون حاصل ہوا اور تسلی ہوئی امام غزالی کہتے ہیں کہ اللہ کے صالح بندے اپنے نفس کی اصلاح کے لیے ایسے طریقے استعمال کرتے ہیں جو بظاہر خلاف شرع معلوم ہوتے ہیں اور جن کو اہل شریعت برداشت نہیں کر سکتے لیکن اہل اللہ جانتے ہیں کہ اس سے ان کی اصلاح مقصود ہے اور آخر کو وہ اپنی اس خلاف شرع حرکت کی تلافی بھی کرتے ہیں[3]۔ ابن قیم کہتے ہیں "پاک ہے وہ ذات جس نے ابو حامد سے احیاء العلوم لکھوا کر انھیں دائرۂ فقہ سے خارج کر دیا۔ کاش انھوں نے اپنی کتاب میں ایسی چیزیں نہ لکھی ہوتیں جن پر خاموش رہنا مناسب نہیں ہے تعجب ہے وہ ایسی باتیں بیان کرتے ہیں ان کو مستحسن نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور ان کے حاملین کو ارباب الاحوال کا نام دیتے ہیں۔ اس شخص سے بدتر کس کا حال ہوگا جو شریعت کی مخالفت کرتا ہے اور کس طرح جائز ہے کہ دلوں کی اصلاح ارتکاب معاصی کے ذریعہ کی جائے پھر دوسروں کے مال میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا کیسے جائز ہے؟ اس کے بعد ابن قیم نے امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کا فتویٰ نقل کیا ہے کہ جو شخص حمام سے ایسے کپڑے چرائے جن کی حفاظت کا اہتمام تھا تو ایسے آدمی کا ہاتھ کاٹ ڈالا جائے آخر میں ابن قیم لکھتے ہیں کہ حمام کے اس چور سے زیادہ مجھے تعجب اس فقیہ پر ہے جس کے علم و عقل کو تصوف نے لوٹ لیا۔ کاش ابو حامد قواعد فقہ کے پابند رہتے اور اس طرح کے ہذیان سے دور رہتے[4]۔ امام غزالی کے اس قول پر بھی تنقید کی گئی ہے کہ "الاشتغال بعلم الظاهر بطالة[5]۔" ابن قیم نے اس کی تردید

---

[1] اتحاف السادۃ المتقین ج ا صـ ۳۸   [2] احیاء میں ابن الکریبی دیا ہے جبکہ صحیح ابن الکرنبی ہے۔

[3] احیاء علوم الدین ج ۴ صـ ۳۰۶ (بیان من جملۃ حکایات المجلس) و ج ۳ صـ ۲۴۹ (بیان حب الجاہ)

[4] اتحاف السادۃ المتقین ج ا صـ ۳۸   [5] اتحاف السادۃ المتقین ج ا صـ ۳۸، الاخلاق عند الغزالی صـ ۸۲

کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ حد سے بڑھی ہوئی جہالت ہے[۱]۔ امام غزالی کہتے ہیں کہ ابوتراب بخشی نے اپنے ایک مرید سے کہا کہ اگر تم بایزید کا دیدار کرلیتے تو دیدار الٰہی سے ستر گنا بہتر تھا[۲]، ابن قیم نے اس پر تنقید کی اور کہا "ھذا الکلام فوق الجنون بدرجات"[۳] ابن جوزی نے بھی یہی تبصرہ کیا ہے[۴]۔

امام غزالی سے پہلے یہ قابل اعتراض اقوال تصوف کی کتابوں میں موجود تھے ہم آج بھی ان میں بیشتر عبارتوں کو قوت القلوب، الرسالۃ القشیریہ، اللمع وغیرہ میں دیکھ سکتے ہیں لیکن مخالفین کی نگاہوں میں امام صاحب فقیہہ تھے عالم تھے انھیں ایسے اقوال نقل کرکے ان کی تائید نہیں کرنی چاہیئے تھی یہی وجہ ہے کہ ان کے مخالفین اعتراضات کے دوران اس پر کف افسوس ملتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں کہ صوفیہ ان کے درمیان سے اس بلند پایہ فقیہہ کو اٹھا کر لے گئے۔

امام غزالی کا پیش کردہ تصوف اسی رہبانیت پر مبنی ہے جس کو ابتدائی دور کے مسلمانوں نے کبھی مستحسن نہیں سمجھا البتہ ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے تصوف کو شریعت کا لباس پہنایا اور اسے اس خوبصورت انداز میں عوام کے سامنے لائے کہ لوگ عش عش کر اٹھے اور حقیقت کی پردہ پوشی کا الزام لگانے کے بجائے انھیں 'حجۃ الاسلام' کا لقب عطا کیا۔ ہم عصر علماء نے ان کے اس رویہ پر احتجاج کیا لیکن تصوف کی اثر آفرینی اور پھر امام غزالی کے ساحرانہ انداز نے ان کی آواز دبادی۔ ان کی وفات کے بعد جن علماء نے ان پر بے لاگ تنقید کی ان سے صوفیہ ہمیشہ بدظن رہے خود غزالی نے "کتاب الاملاء عن اشکالات الاحیاء" لکھ کر معترضین کے اشکالات کو دور کرنے کی کوشش کی لیکن علاج مرض سے بدتر ثابت ہوا اور مزید اشکالات پیدا ہوتے گئے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ امام موصوف نے اپنے مخالفین کو جس تلخ تنقید کا نشانہ بنایا اور جس طرح ان کے لیے سخت و سست الفاظ استعمال کیے۔ وہ ان کے تصور اخلاق

۱ھ اتحاف السادۃ المتقین ج ا ص۲۸، الاخلاق عند الغزالی ص۸۲

۲ھ احیاء العلوم الدین ج ۴ ص۳۰۵ (بذیل جملہ من حکایات المحبین)

۳ھ اتحاف السادۃ المتقین ج ا ص۲۸، الاخلاق عند الغزالی ص۸۲

۴ھ تلبیس ابلیس ص۳۵۴ - یہ تمام اعتراضات علامہ زبیدی نے اتحاف میں نقل کیے ہیں۔ ہم نے حتی الامکان کوشش کی ہے کہ احیاء میں ان قابل اعتراض عبارتوں کی نشاندہی کریں۔ علامہ زبیدی نے معترضین میں ابن جوزی کا نام نہیں لیا ہے صرف "معترض" کہہ کر اعتراض نقل کیا ہے، ہم نے تلبیس ابلیس سے بھی استفادہ کیا ہے۔

پر پانی پھیر دیتے ہیں۔ ایک ایسے عالم کی طرف سے جو حسد، غصہ اور کینہ جیسی برائیوں پر گہری نظر رکھتا ہو اور باریک بینی سے تجزیہ کرتا ہو، کوئی توجیہ قابلِ قبول نہیں ہوسکتی۔

امام غزالی نے جو تصوف پیش کیا ہے اس میں ترکِ دنیا، بیچارگی و بے بسی، آدم بیزاری، اندوہ دلگیری، گوشہ نشینی، نفس کشی وغیرہ کا عنصر اتنا نمایاں ہے کہ دوسری قدریں مثلاً اولوالعزمی، استقلال، جذبۂ جہاد، بدی کے خلاف نبرد آزما ہونے کا ولولہ ناپید ہوکر رہ جاتی ہیں اس لحاظ سے ان کا تصوف عیسائی رہبانیت کا نیا ایڈیشن ہے ان کی ضخیم کتاب احیاء علوم الدین میں جہاں مہد سے لے کر لحد تک کا سارا سامان موجود ہے جہاد کا کوئی ذکر نہیں ہے ایک لحاظ سے وہ اس میں معذور بھی ہیں کیوں کہ جس زمانہ میں انھوں نے احیاء لکھی ہے وہ ان کے حال کا زمانہ تھا یہی وجہ ہے کہ اس میں تکرار، تضاد بیانی، ذہنی اضطراب اور مایوسی وافر مقدار میں موجود ہے اس کتاب کا قاری اگر مستقل مزاج نہیں ہے تو اس کے اثرات سے اس کا بچ جانا محال ہے۔

تصوف کو فرضِ عین قرار دینا اور فقہ کو دنیاوی علوم میں شمار کرنا تصوف میں ان کے غلو کی ادنیٰ مثال ہے۔ وہ بار بار تصریح کرتے جاتے ہیں کہ تصوف ایک ایسا علم ہے جسے زیرِ تحریر نہیں لایا جاسکتا صرف ذوق و وجدان کے ذریعہ اس کا حصول ممکن ہے لیکن یہ نکتہ بھی وہ اس وقت بیان کرتے ہیں جب علم مکاشفہ ہی پر ان کا قلم رواں ہوتا ہے ایسا علم جو فرضِ عین بھی ہو اور تحریر و تقریر سے ماورا بھی۔ اس کا حصول کیسے ممکن ہے یہ بات تشریح طلب رہ جاتی ہے؟ سوال یہ ہے کہ جن صوفیانہ احوال و مقامات پر امام غزالی نے قلم اٹھایا ہے کیا وہ علم مکاشفہ کے ذیل میں آتے ہیں یا نہیں؟ اگر وہ اس کے ذیل میں آتے ہیں تو ان کا دعویٰ باطل ہوجاتا ہے اگر نہیں آتے ہیں تو ان کے قلم بند کرنے کا مقصد کیا ہے؟

تصوف کے دفاع میں انھوں نے اپنے مخالفین کے خلاف جو رویہ اپنایا۔ اس سے بآسانی یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ وہ ہر محاذ پر اس کی مدافعت کرنا چاہتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ تصوف کی محبت میں انھیں بہت کچھ کھونا پڑا۔ انھوں نے ایک بے جان تنکے کی طرح اپنے آپ کو تصوف کی بلاخیز موجوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جہاں سے صحیح سلامت کنارے پر آنا ناممکن نہ سہی مشکل ضرور تھا۔ تصوف کا سیلِ رواں اس لحاظ سے ہر دور میں مسلمانوں کا ذہنی جغرافیہ تبدیل کرنے میں اہم کردار ادا کرتا رہا ہے۔

امام غزالی نے جس متوکلانہ زندگی کی تلقین کی ہے کوئی زندہ قوم اسے اپنا شعار نہیں

بنا سکتی چہ جائیکہ اسلام جو سراپا انقلاب ہے۔

امام غزالی کے پیش کردہ تصوف میں جہاں خامیاں ہیں وہاں خوبیاں بھی ہیں انھوں نے علماء اسلام کو ان مسائل پر غور و فکر کرنے کے لیے مجبور کیا جنھیں ہاتھ لگانا وہ اپنی کسر شان سمجھتے تھے۔ نیز اخلاقیات پر قلم اٹھا کر مسلمانوں پر واضح کر دیا کہ وہ خود اصلاح طلب ہیں۔ ان کا تصور اخلاق ہزار گونہ منفی سہی لیکن اپنے اندر ایک کشش ضرور رکھتا ہے غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ

؎ دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

JOURNAL

Institute of Muslim Minority Affairs

Editor: Syed Z. Abedin

VOL. VII NO. 1 NOW AVAILABLE

This Issue Contains:
Articles and research reports on Portugal and Spain, Eastern Europe, Poland, Chinese Turkestan, Lakshadweep, Sri Lanka, North Thailand, Japan, Trinidad and Tobago, Canada, West and East Africa.

Along with Dialogue on the Rights of non-Muslims in Islam, Legal Questions Relating to Muslim Personal Law in Minority Countries, Research in Progress, Book Reviews and Spectrum.

Contributors Include:
Muhammad Hamidullah, Fazlur Rahman, Abdullah Naseef, Earle Waugh, Lucy Caroll, Jacinto Bosch Vila, Farah Gilanshah, Ameer Ali, Andrew Forbes, Daoud Hamdani, David C. Davis, C.C. Stewart, Abasi Kiyimba and others.

ORDER YOUR COPY NOW!

Orders are dispatched only on receipt of payment. Remittances in US$, Canadian $, Hong Kong $, Eurocheques and Cheques in convertible local currency can be accepted at current exchange rates. Cheques in Indian Rupees, Pakistani Rupees and Bangladesh Takas are accepted at the rates listed below.

New Distribution office
Institute of Muslim Minority Affairs
46 Goodge st 1st Flr London W1P 1FJ U.K

Subscription	International	India	Pakistan	Bangladesh
2yr institution	£20 (4 issues)	Rs.150	Rs.200	Tk.350
1yr institution	£12 (2 issues)	Rs.90	Rs.120	Tk.200
2yr individual	£16 (4 issues)	Rs.120	Rs.160	Tk.275
1yr individual	£10 (2 issues)	Rs.75	Rs.100	Tk.175